مغرب پر مسلمانوں کے احسان

(پروفیسر فلپ۔ کے۔ حتی کی کتاب "دی عربس" کے ایک باب کا ترجمہ)

(مترجمہ پروفیسر مبارزالدین صاحب رفعت، لکچرر عثمانیہ کالج اورنگ آباد)

مسلم اسپین کے ایک کالج کے باب الداخلہ پر جو کتبہ نصب ہے، اس میں یہ مقبول مقولہ درج ہے "دنیا کا مدار چار چیزوں پر ہے۔ عالموں کا علم، اکابر کا عدل، عابدوں کا تقویٰ اور جوانمردوں کی شجاعت"،

یہ بات بڑی معنی خیز ہے کہ اس یورپی تحریر میں اسلامی تصورات پیش کئے گئے ہیں ان میں علم و دانش ہی کو پہلا مقام دیا گیا ہے اس میں کچھ شک نہیں کہ عربی فوجوں نے مغربی دنیا پر اپنی مردانگی کا نہایت گہرا نقش بٹھایا تھا لیکن یہ نقش دیرپا ثابت نہیں ہوا اگرچہ عربوں کا دین یورپی تخیل کو پوری طرح مسخر نہ کر سکا، اور عربوں کا تصورِ عدل یہاں کم ہی کامیاب رہا، لیکن اسلامی علم و ادب نے مغربی تفکر میں مختلف نقاط سے راہ پائی۔ قرونِ وسطیٰ کے یورپ کے ذہنی ارتقا کی تاریخ میں مسلم اسپین نے ایک نہایت ہی درخشاں باب کا اضافہ کیا ہے اس سے پہلے ہم دیکھ چکے ہیں کہ آٹھویں صدی عیسوی کے وسط اور تیرھویں صدی عیسوی کے آغاز کے درمیانی زمانے میں عربی بولنے والے ہی ساری دنیا میں تہذیب و تمدن کے مشعل بردار بنے ہوئے تھے۔ عربی زبان ہی وہ واسطہ تھی جس کے ذریعہ قدیم سائنس اور فلسفہ کی بازیافت ہوئی ان میں اضافے ہوئے، ان کی اشاعت ہوئی اور ان سے مغربی یورپ میں نشاۃ ثانیہ کا دور شروع ہوا۔ مسلم اسپین کا سب سے زبردست اور جید عالم اور بدیع مفکر علی ابن حزم گذرا ہے یہ ۹۹۴ء میں پیدا ہوا اور ۱۰۶۴ء میں فوت ہوا۔ علی ابن حزم کا شمار ایسے دو تین اسلامی مفکروں

میں ہوتا ہے جن کا ذہن نہایت شاداب اور جن کی تصانیف بے شمار ہیں۔ سوانح نگاروں نے تاریخ، فقہ، حدیث، منطق، شاعری اور متعلقہ موضوعات کی کوئی چار سو کتابیں اس سے منسوب کی ہیں اس کی باقی ماندہ تصانیف میں سب سے گراں قدر تصنیف وہ ہے جس نے ابن حزم کو تقابلی دین کے پہلے عالم ہونے کا اعزاز بخشا ہے اس کتاب میں ابن حزم نے توریت اور انجیل کی داستانوں کے الجھاوے دکھلائے ہیں اور یہ الجھاوے ایسے تھے کہ سولھویں صدی میں معنوی تنقید کے پیدا ہونے تک کسی اور کا ذہن ان کی طرف منتقل نہ ہو سکا تھا۔

سترھویں صدی کے دوران میں مغربی یورپ کی نثر میں جو فرضی قصے کہانیاں اور اخلاقی تمثیلیں رائج رہیں ان میں اور ابتدائی عربی قصوں میں بڑی واضح مشابہتیں پائی جاتی ہیں اور یہ عربی قصے خود بھی ہند وایرانی قصوں سے لئے گئے تھے۔ کلیلہ ودمنہ کے پرلطف قصوں کا ترجمہ قشتالیہ اور لیون کے بادشاہ الفانسو دانا (۱۲۵۲ء۔۱۲۸۲ء) کے لئے اسپینی زبان میں کیا گیا تھا۔ اس کے کچھ عرصے بعد ایک نو نصرانی یہودی نے ان قصوں کو لاطینی زبان میں منتقل کیا تھا ان قصوں کا فارسی سے فرانسیسی زبان میں ترجمہ ہوا۔ اس ترجمہ سے لافانتین نے استفادہ کیا ہے جس کا خود اس شاعر نے اعتراف کیا ہے "مقامہ" مسجع ومقفیٰ نثر میں لکھا جاتا ہے اس میں ہر قسم کی لسانی ندرتوں سے کام لیا جاتا ہے اس سے مقصود ایک سورما سوار کی مہموں کی داستان کے ذریعہ اخلاقی سبق دینا ہوتا ہے۔ اسپینی زبان کے ایسے ناول جن میں ڈاکوؤں اور بدمعاشوں کے کردار پیش کئے گئے ہیں ان میں اور مقامہ میں قریبی مشابہت پائی جاتی ہے۔ یورپی ادب پر عربی زبان کا سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ اس نے اپنی طرز وانشا کا جو اثر ڈالا ہے اسی کی بدولت مغربی تخیل کو سخت ترین ذہنی بندشوں سے رہائی نصیب ہوئی جن میں وہ روایات کے ہاتھوں گرفتار تھا اسپینی ادب کے ملی مزاج میں عربی نمونوں کی جھلک صاف نظر آتی ہے چنانچہ سروانٹس کی کتاب ڈان کویک زاٹ کی ظرافت اور مذاق میں بھی یہی رنگ دکھائی دیتا ہے اس کتاب کا مصنف ایک بار الجیریا میں گرفتار ہو گیا تھا اور

اس نے از راہ مزاح یہ مشہور کر دیا تھا کہ اس کتاب کی اصل عربی زبان میں لکھی گئی ہے۔

عربی زبان جہاں کہیں اور جب کبھی استعمال کی گئی وہاں شعر گوئی کا مذاق بڑے زور شور کے ساتھ فروغ پاتا رہا ہے گویا اشعار ایک سے دوسرے تک زبانی منتقل ہوتے اور اعلیٰ و ادنیٰ ہر ایک سے داد و تحسین حاصل کرتے تھے الفاظ کے حسن و ترنم سے محظوظ ہونا عربی بولنے والی قوموں کی خاص خصوصیت ہے اور اس خصوصیت نے اسپین میں بھی اپنے جلوے دکھائے ہیں۔ اندلس کا پہلا اموی حکمران اور اس کے بہت سے جانشین شاعر تھے اکثر حکمرانوں نے اپنے درباروں میں ملک الشعرا مقرر کر رکھے تھے۔ انھیں وہ سیر و سیاحت اور رزم و بزم میں ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ اشبیلیہ کو اس پر فخر تھا کہ یہاں کے اعلیٰ درجے کے شاعروں کی گنتی دوسرے تمام شہروں کے مقابلہ میں سب سے زیادہ تھی ایک عرصہ سے قرطبہ میں بھی مذاق شعر کی شمع روشن ہو چکی تھی بعد میں یہی شمع غرناطہ میں اس وقت تک ضیا پاشی کرتی رہی جب تک کہ یہ شہر اسلام کی پناہ گاہ بنا رہا۔

ابن زیدون (۱۰۰۳ء سے ۱۰۷۱ء) ایک اور بڑا اور مشہور شاعر ہوا ہے۔ اس کا تعلق ایک عرب گھرانے سے تھا ابتدا میں یہ قرطبہ کی چند سری (Oligarchy) حکومت کے عہدہ کا معتمد تھا اس کے بعد غالباً خلیفہ مستکفی کی شاعرہ بیٹی الولّادہ سے بے محابا عاشقی کی پاداش میں اپنے عہدے سے معزول کیا گیا۔ پھر کئی سال تک قید اور جلا وطنی کے بعد وزیر اعظم المعتضد کے دہرے عہدے پر فائز ہوا، اور ذوالوزارتین، یعنی وزیر سیف اور وزیر قلم کے خطاب سے بھی سرفراز ہوا۔ حسین و جمیل اور فاضل الولّادہ نے ۱۰۸۷ء میں وفات پائی۔ اس کے ذاتی حسن و جمال اور ادبی قابلیت کی بڑی شہرت تھی، اس طرح وہ گویا اسپین کی سیفو تھی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسپین کی عرب عورتوں میں ادب اور شاعری کا خاص ذوق اور خاص فطری میلان پایا جاتا تھا۔

اسپین کی عربی شاعری نے قدیم بانی جگر بندیوں سے ایک حد تک آزاد ہو کر نئی بحریں اور

نئی طرزیں ایجاد کیں اور حسنِ فطرت کا تقریباً ویسا ہی ادراک حاصل کیا جو جدید شاعری میں پایا جاتا ہے یہ شاعری اپنی چھوٹی چھوٹی رزمیہ نظموں اور عشقیہ غزلوں کے ذریعہ ان روحانی احساسات کا اظہار کرنے لگی جن میں قرون وسطیٰ کے سپاہیانہ نظام کے جلوے پنہاں تھے نغمہ وموسیقی نے ہر جگہ شاعری کے ساتھ اپنا رشتہ جوڑا اور اسے استوار رکھا ہے

عام طور پر عربی شاعری اور خاص کر اس کی وہ صنف جو غزل کہلاتی ہے دیسی نصرانیوں کو بہت بھا گئی تھی جن عوامل نے نصرانیوں کو عربی ادب کو اپنانے پر ابھارا ان میں سب سے زیادہ طاقت ور عامل یہی غزل کی شاعری تھی عربی تغزلی شاعری کی دو طرزوں کو قشتالیہ کی مقبول عام طرز villancico کی صورت میں فروغ حاصل ہوا یہ طرز نصرانی گیتوں اور میلادِ مسیح کی نظموں میں بہت زیادہ استعمال کی جاتی تھی۔

آٹھویں صدی ہی میں اسپینی زبان میں افلاطونی محبت کی جو باقاعدہ تحریک شروع ہوئی تھی اس پر عربی شاعری کے اثرات نمایاں نظر آتے ہیں۔ گیارہویں صدی کے آخر میں جنوبی فرانس کے اولین پراونسی (Provencal) شعرا عشق ومحبت کی شعلہ سامانیوں کو عجیب وغریب پربہار تخیل کے سانچوں میں ڈھالتے بڑے زور شور کے ساتھ نمودار ہوتے ہیں۔ قرون وسطیٰ کے غزل گو شاعر جنہیں بارہویں صدی میں فروغ حاصل ہوا تھا اپنے "جنوبی" "غزل سرا" (Zajal Singer) معاصروں ہی کے پیرو تھے۔ عربی مثالوں کو ہی اپنے سامنے رکھ کر جنوبی یورپ میں 'مسلک ظرافت' (Cult of Dame) یک بیک نمودار ہوا۔ ابتدائی یورپی ادب کی سب سے بڑی یادگار 'چان سن ڈی رولینڈ' (Chanson de Roland.) ہے جو ۱۰۸۰ء میں لکھی گئی۔ جس طرح ہومر کی نظموں سے تاریخ یونان کے آغاز کا پتہ چلتا ہے، بالکل اسی طرح چان سن ڈی رولینڈ سے بھی ایک نئے تمدن یعنی مغربی یورپ کے تمدن کے آغاز کے آثار وعلامات کا سراغ ملتا ہے یہ کتاب اپنی تخلیق کے لحاظ سے ایک ایسے قومی رابطہ کی رہین منت ہے جو اہل یورپ نے اس زمانہ میں اسلامی

اسپین سے قایم کیا تھا۔

جیسا کہ ہم دیکھ آئے ہیں، اسپین میں ابتدائی تعلیم بہت عام تھی اور تمام اسلامی ملکوں کی طرح اس کی بنیاد قرآن پڑھنے اور عربی صرف و نحو اور شاعری کے مطالعہ پر رکھی گئی تھی۔ علمی دنیا میں عورتوں کے مراتب ثابت کرتے ہیں کہ اندلس میں ان مقولوں پر کم ہی عمل کیا جاتا تھا جن میں عورتوں کو لکھنا پڑھنا سکھانے کی ممانعت آئی ہے۔ اعلیٰ تعلیم کی اساس دینیات، صرف و نحو، شاعری، لغت، تاریخ اور جغرافیہ تھی۔ کئی بڑے بڑے شہروں میں ایسی درسگاہیں تھیں جنہیں جامعات کہا جا سکتا ہے ان میں قرطبہ، اشبیلیہ، مالقہ اور غرناطہ کی جامعات بہت ہی بلند پایہ تھیں جامعہ قرطبہ میں فقہ اور قانون کے سوا ہیئت، ریاضیات اور طب کے شعبے بھی قایم کئے گئے تھے۔ اس جامعہ میں ہزاروں طالب علم شریک ہوتے تھے اور یہاں کی سندیں ملک کے سب سے زیادہ بیش قرار عہدوں کی ضامن سمجھی جاتی تھیں۔ جامعہ قرطبہ کا نصابِ تعلیم فقہ، اصول قانون، طب، کیمیا، فلسفہ اور ہیئت کے مضامین پر حاوی تھا۔ قشتالیہ اور دوسرے ملکوں کے طالب علم اس ادارہ کے بڑے دلدادہ تھے۔

جامعات کے ساتھ ساتھ کتب خانوں کو بھی فروغ حاصل ہوتا گیا۔ قرطبہ کا شاہی کتب خانہ وسعت کے لحاظ سے بہت بڑا اور علمی ذخیرے کے اعتبار سے سب سے بہتر کتب خانہ تھا۔ بہت سے لوگوں کے پاس جن میں کچھ عورتیں بھی شامل ہیں اپنے خانگی کتب خانے بھی ہوتے تھے۔ سیاسی مجلسیں اور ناٹک گھر یونان اور روما کی زندگی کی نمایاں خصوصیات تھیں اسلامی زندگی میں ان چیزوں کو کوئی مقام حاصل نہ ہو سکا۔ اس لئے اسلامی زندگی نے کتابوں ہی کو حصول علم کا تنہا ذریعہ بنا دیا تھا۔

جیسا کہ ہم بغداد کی سیر میں دیکھ چکے ہیں، وہاں کاغذ کی صنعت کافی فروغ پا چکی تھی اسلام نے یورپ پر جو بڑے بڑے احسان کئے ہیں ان میں سے ایک احسان یہ بھی ہے کہ سب سے پہلے مسلمانوں ہی نے یورپ کو کاغذ سازی کے فن سے آشنا کرایا۔ اندلس میں بھی مقامی طور

پر کاغذ تیار کیا جاتا تھا اور اسی کی بدولت یہاں بڑی تعداد میں کتابیں جمع ہوگئی تھیں۔ ورنہ کاغذ کی صنعت کے بغیر یہ کبھی ممکن نہ ہوتا۔ مراکش نے کاغذ کی صنعت مشرق سے سیکھی اور بارہویں صدی کے وسط میں یہ صنعت مراکش سے اسپین منتقل ہوئی۔ انگریزی زبان میں اس تاریخی حقیقت کی ایک لسانی شہادت "ریم" (Ream) کی صورت میں اب بھی موجود ہے۔ یہ لفظ قدیم فرانسیسی لفظ Rayme سے لیا گیا ہے فرانسیسی زبان نے یہ لفظ اسپینی زبان کے لفظ Raama سے حاصل کیا ہے اور خود اسپینی زبان نے یہ لفظ عربی لفظ "رِزمہ" سے مستعار لیا ہے۔ اس لفظ کے معنی عربی میں گٹھری کے ہیں۔ اسپین کے بعد کاغذ سازی کی صنعت سنہ ۱۲۷۰ء کے قریب اسلامی اثر کے نتیجہ کے طور پر غالباً صقلیہ سے اطالیہ آئی۔ بعض لوگوں کا دعویٰ ہے کہ فرانس میں کاغذ سازی کے کارخانے پہلے پہل نصرانی مجاہدوں کے ذریعہ قائم ہوئے لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ اسپین کا عطیہ ہے۔ ان دونوں ملکوں سے کاغذ سازی کی صنعت پورے یورپ میں پھیل گئی۔ عبدالرحمٰن کا ایک معتمد اپنے گھر پر سرکاری مراسلے لکھ کر ایک خاص دفتر یہ "طبع" ــــ چھپائی کی اولین صورت ــــ کرنے کے لئے بھیج دیا کرتا تھا اور اس کے بعد یہاں سے حکومت کے مختلف نمائندوں کے نام اس کے نسخے جاری ہوتے تھے۔

اسپین کی اسلامی سلطنت کی بربادی کے بعد فلپ ثانی (۱۵۵۶ء ــــ ۱۵۹۸ء) اور اس کے جانشینوں نے بچی کھچی باقی ماندہ کتابیں عربی کتب خانوں سے فراہم کیں ان کی تعداد کم و بیش دو ہزار تھی یہی کتابیں کتب خانۂ اسکوریال کی بنیاد بنیں۔ یہ کتب خانہ شہر میڈرڈ سے کچھ دور اب بھی موجود ہے۔ ان کتابوں کے سوا اور دوسری کتابوں کی فراہمی کی داستان بڑی دلچسپ ہے۔ کہتے ہیں کہ سترھویں صدی کی ابتداء میں مراکش کا ایک سلطان شریف زیدان اپنے مال و متاع کے ساتھ کہیں فرار ہو رہا تھا۔ اس نے اپنا کتب خانہ بھی ایک جہاز پر بار کرا دیا۔ لیکن اس جہاز کے کپتان کو پوری اُجرت پیشگی نہیں ملی تھی۔ اس لئے اس نے

ان کتابوں کو اپنی منزلِ مقصود پر اتارنے سے انکار کر دیا اور مارسلیز جاتے ہوئے راستے میں یہ بحری قزاقوں کے ہتھے چڑھ گیا ان کتابوں کی تعداد کم و بیش تین چار ہزار تھی۔ فلپ سوم کے حکم پر اس مالِ غنیمت کو اسکوریال کے کتب خانہ میں محفوظ کر دیا گیا اور اس کی بدولت یہ کتب خانہ عربی زبان کے قلمی نسخوں کا ایک بیش بہا خزانہ بن گیا۔

مغربی مسلمانوں نے ادب اور تاریخ کے میدان میں جو کمال دکھائے ہیں ان میں بنی نصر کے دربار کے دو عہدہ دار دوستوں یعنی ابن الخطیب اور ابن خلدون کا مرتبہ بہت ہی بلند ہے لسان الدین بن الخطیب (۱۳۱۳ء — ۱۳۷۴ء) شام کے ایک عرب خاندان میں پیدا ہوا اس کا خاندان شام سے ہجرت کر کے اندلس میں آباد ہو گیا تھا غرناطہ کے بنی نصر کے ساتویں سلطان یوسف بن الحجاج اور اس کے بیٹے محمد پنجم نے اسے 'ذوالریاستین' کا خطاب دیا تھا۔ سنہ ۱۳۷۱ء میں یہ ایک درباری سازش سے جان بچا کر بھاگا اور اس کے تین سال بعد فاس کے مقام پر ایک خانگی جھگڑے میں مارا گیا۔ اس کی موت سے پورے عرب اسپین کا نہیں لیکن غرناطہ کا آخری مشہور و معروف مصنف، شاعر اور سیاس دنیا سے اٹھ گیا۔ ابن خطیب نے شاعری، تاریخ، جغرافیہ، طب اور فلسفہ پر ساٹھ کتابیں لکھی ہیں ان ساٹھ کتابوں میں سے اس وقت ایک تہائی کتابیں محفوظ رہ گئی ہیں۔ اس کی جو کتابیں زمانے کی دست برد سے بچ رہی ہیں، ان میں سے ہمارے لئے سب سے اہم غرناطہ کی تفصیلی تاریخ ہے۔

عبدالرحمٰن بن خلدون (۱۳۳۲ء — ۱۴۰۶ء) تونس کے ایک اندلسی خاندان میں پیدا ہوا۔ یہ خاندان اپنا سلسلۂ نسب قبیلۂ کندہ سے ملاتا تھا۔ اس خاندان کا بانی نویں صدی میں یمن سے اندلس میں ہجرت کر آیا تھا اس خاندان کے لوگ تیرھویں صدی تک بھی اشبیلیہ میں باقی تھے۔ اپنی خدمت سے معزول ہونے سے پہلے وہ فاس میں کئی بڑی خدمتوں پر فائز رہا ۱۳۶۲ء میں اس نے غرناطہ کے سلطان محمد سادس کی خدمت اختیار کر لی۔ اس سلطان نے ابن خلدون سے کئی اہم سیاسی کام لئے۔ اس کے بعد وہ اپنے طاقت ور دوست

ابن الخطیب کے حسد کا شکار ہوا، اور اندلس چھوڑ کر المغرب چلا آیا اور یہاں تصنیف وتالیف میں مشغول ہو گیا۔ ابن خلدون کو اپنے مقدمہ (تاریخ) کی بنا پر بڑی شہرت حاصل ہوئی ہے اس میں ابن خلدون نے پہلی بار تاریخ کے ارتقار کا نظریہ دنیا کے آگے پیش کیا ہے۔ اس نظریے میں اخلاقی اور روحانی قوتوں کے سوا آب وہوا اور جغرافیہ کے طبعی حقائق بھی پورے وقوف وآگہی کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ قومی عروج وزوال کے قوانین کی دریافت اوران کی تدوین کی سب سے پہلی کوشش ابن خلدون ہی نے کی ہے۔ اس لئے ابن خلدون کو —— جیسا کہ خود اس نے دعویٰ کیا ہے فن تاریخ کی ماہیت اور اس کی وسعت کا انکشاف کرنے والا یا کم سے کم عمرانی علوم کا حقیقی بانی کہا جا سکتا ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ ابن خلدون سے پہلے تاریخ پر مجموعی حیثیت سے ایسی وسیع اور فلسفیانہ نظر —— یورپ والوں کا ذکر ہی کیا —— کسی عرب مصنف نے بھی نہیں ڈالی تھی۔ ابن خلدون نے سنہ ۱۴۰۶ء میں وفات پائی۔ دنیا نے اس کے کارنامہ پر جتنی تنقیدیں اور تبصرے کئے ہیں، ان سب میں اتفاق اسی بات پر کیا گیا ہے کہ وہ اسلام کا عظیم ترین اور دنیا کا ایک زبردست مفکر تاریخ گذرا ہے۔

عربوں کی جغرافیائی تحقیقات کا اثر مغرب پر کم پڑا ہے تاہم یہ واقعہ ہے کہ زمین کے گول ہونے کے قدیم نظریے کو عربوں ہی نے ہمیشہ زندہ رکھا ہے۔ ہم اس سے پہلے ہندؤں کے اس تصور کی طرف اشارہ کر چکے ہیں کہ زمین کے نصف معلوم کرہ کا ایک مرکز ہے جو چاروں سمتوں سے مساوی فاصلہ پر واقع ہے اس کو آرین (Arin) کہتے ہیں اس آرینی نظریہ کو ایک لاطینی تصنیف میں جگہ مل گئی جو سنہ ۱۴۱۰ء میں شائع ہوئی۔ اس تصنیف سے کولمبس نے وہ نظریہ اخذ کیا جس کی رو سے اسے یقین ہو چلا تھا کہ زمین کی شکل ناسپاتی جیسی ہے اور مغربی نصف کرہ میں آرین کے مقابل ویسا ہی ایک اونچا مرکز واقع ہے۔

مسلمانوں نے ہیئتی جغرافیہ اور ریاضیات کے جدید تصورات سے مغربی علوم کے

دامن بھرے تھے اسپین میں ہیئت کا باقاعدہ مطالعہ دسویں صدی کے بعد سے شروع ہوا تھا۔ قرطبہ، اشبیلیہ اور طلیطلہ کے مسلمان حکمرانوں کو اس سے بڑی گہری دلچسپی پیدا ہو گئی تھی۔ اندلس کے اکثر ہیئت داں ستاروں کے اثرات کے قائل تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ دنیا میں پیدائش سے لے کر موت تک جو واقعات پیش آتے ہیں ان میں سے اکثر واقعات ستاروں ہی کے اثرات کا نتیجہ ہوتے ہیں، ستاروں کے اثرات کا مطالعہ یعنی علم نجوم کی تحصیل کے شوق کی بدولت دنیا کے تمام مقامات کے محلِ وقوع اور ان کے طولِ بلد اور عرضِ بلد متعین کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ اس طرح علم نجوم ہیئت کا سرچشمہ بن گیا لاطینی مغرب میں مشرقی ہیئت اور نجوم کا شوق اسپین ہی کے ذریعہ پھیلا۔ اسپین ہی میں مسلمانوں کی اہم ترین ہیئتی تصانیف کے لاطینی ترجمے ہوئے اور تیرہویں صدی میں الفانسو دہم نے جو الفانسوی جدولیں تالیف کی تھیں، وہ اسلامی ہیئت کی ایک ارتقائی شکل کے سوا اور کچھ نہ تھیں۔ عرب مصنفوں نے ستاروں سے متعلق جو تحقیق کی تھی اس کے ذریعہ انھوں نے کروی اور مستوی مثلث کے ابتدائی ابواب دئے۔ کیونکہ الجبرا اور تحریری علم ہندسہ کی طرح علم مثلث کی بنیاد بھی بڑی حد تک عربوں ہی نے ڈالی ہے جو کوئی بھی اجرام فلکی کے کسی معمولی نقشہ پر نظر ڈالے تو یہ بات اس پر روشن ہو جائے گی کہ عرب ہیئت دانوں نے آسمان پر بھی اپنی محنت کے لازوال ارتسامات چھوڑے ہیں۔ یورپی زبانوں میں نہ صرف ستاروں کے نام ہی عربی الاصل ہیں —— جیسے Altair الطائر، Algedi الجدی، AC rab عقرب، Deneb ذنب، Pherkad فرقد وغیرہ —— بلکہ ان زبانوں میں بے شمار فنی اصطلاحیں بھی ایسی ملیں گی جو عربی الفاظ سے لی گئی ہیں۔ جیسے Nadir النظیر، Azimuth السموت، Zenith السمت وغیرہ۔ یہ اصطلاحیں علم و حکمت کے اس بے بہا اسلامی ترکے کا بین ثبوت ہیں جس سے نصرانی یورپ مستفید ہوا ہے

عربی زبان سے ریاضیات کی جتنی بھی اصطلاحیں مستعار لی گئی ہیں ان میں ایک نہایت

دلچسپ اصطلاح "صفر" ہے اگرچہ عربوں نے "صفر" ایجاد نہیں کیا، لیکن عربوں ہی نے یورپ کو عربی اعداد کے ساتھ ساتھ "صفر" سے بھی روشناس کرایا۔ اور اہل مغرب کو اس مفید ترین حسابی طریقہ کے استعمال کا ڈھنگ سکھا کر روزمرہ کی زندگی میں عملی حساب کی سہولتیں مہیا کیں۔ اگر حساب میں "صفر" کا استعمال نہ ہوتا تو ہمیں اپنے اعداد کے جوڑنے کے لئے اکائیوں دہائیوں اور سینکڑوں وغیرہ کے خانوں کا ایک جدول تیار کرنا یا گنتارا استعمال کرنا پڑتا۔

غیر مسلم یورپ میں عربی اعداد کی نشر و اشاعت کی رفتار بہت ہی سست رہی گیارہویں اور بارہویں صدی میں تمام تر اور ایک حد تک تیرھویں صدی میں بھی نصرانی یا تو قدیم رومی اعداد اور گنتار سے استعمال کرتے رہے یا جدید عربی اعشاری نظام کو اپنے پرانے نظام سے ملا کر اس سے کام لیتے رہے عملی مقاصد میں نئے رموز سے پہلے اطالیہ میں استعمال کئے گئے، پیسا کے لیونارڈو فیبانکی نے ۱۲۰۲ء میں ایک کتاب شائع کی جو عربی اعداد کی ترویج و اشاعت میں بڑی عہد آفریں ثابت ہوئی۔ اس شخص نے ایک مسلمان استاد کی شاگردی کی تھی اور شمالی افریقہ کی سیاحت کرچکا تھا۔ اس کی لکھی ہوئی کتاب نہ صرف عہد آفریں ثابت ہوئی بلکہ اسی کتاب سے یورپی ریاضیات کا آغاز ہوتا ہے اگر پرانے اعداد ہی استعمال ہوتے رہتے تو علم حساب نے اب جو اپنی بعض شاخوں میں ترقی کی ہے وہ ہرگز ممکن نہ ہوتی۔ ہم اس وقت اپنے علم حساب کو جس ترقی یافتہ صورت میں دیکھ رہے ہیں وہ تمام تر عربی اعداد اور "صفر" ہی کا کرشمہ ہے۔

مغربی مسلمانوں نے ہیئت اور ریاضیات کی طرح مطالعۂ قدرت کے میدان میں خاص کر خالص اور اطلاقی نباتیات کی تحقیقات سے دنیا کے علم میں بڑا اضافہ کیا ہے۔ انھوں نے کھجور اور حشیش جیسے درختوں اور پودوں کے صنفی اختلافات کے نہایت صحیح مشاہدے کئے۔ انھوں نے پودوں کی تقسیم گروہوں میں کی پہلا گروہ ان پودوں کا قرار دیا جو قلم لگانے سے اُگتے ہیں۔ دوسرا گروہ ایسے پودوں کا مانا جو بیج سے اُگتے ہیں اور تیسرے گروہ میں ایسے پودے شامل کئے جنہیں وہ خودرو سمجھتے تھے اشبیلیہ کے ابن العوام نے بارھویں صدی کے آخر میں زراعت

پر ایک رسالہ لکھا تھا یہ رسالہ اپنے موضوع پر نہ صرف اہم ترین اسلامی رسالہ مانا جاتا ہے بلکہ سارے قرون وسطیٰ میں اس موضوع پر جتنی بھی کتابیں منظر عام پر آئیں ان سب میں اس رسالہ کا مرتبہ بہت بلند ہے۔ ابن العوام نے اس رسالہ کی تیاری میں کچھ تو قدیم یونانی اور عربی ماخذوں سے خوشہ چینی کی ہے اور کچھ اسپین کے کاشتکاروں کے عملی تجربوں سے استفادہ کیا ہے اس رسالہ میں پانچ سو پچاسی درختوں اور پچاس سے زیادہ پھلوں کی کاشت کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں اس میں قلم لگانے کے نئے مشاہدے بھی پیش کئے گئے ہیں اور زمین اور کھاد کے خواص بیان کئے گئے ہیں ان کے سوا درختوں اور انگور کی بیلوں کے امراض کی علامتیں اور ان کے علاج کے طریقے بھی بتلائے گئے ہیں۔

اسپین بلکہ حقیقت میں اسلامی دنیا کا مشہور ترین عطار اور ماہر نباتیات عبداللہ ابن احمد ابن البیطار گذرا ہے اس نے سنہ ۱۲۴۸ء میں بمقام دمشق وفات پائی، عبداللہ بن البیطار نے "آسان علاجوں" پر ایک رسالہ یادگار چھوڑا ہے۔ یہ رسالہ قرون وسطیٰ کے تمام رسالوں میں سب سے زیادہ نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔

عام طور پر اسپین کے عرب طبیب پیشہ ور طبیب تھے انھوں نے طب کا پیشہ اپنی طبعی صلاحیتوں کی بنا پر اختیار کیا تھا۔ ابن الخطیب کو ہم ادیب اور مورخ کی حیثیت سے پیش کر چکے ہیں۔ اس کے پاس اور دوسرے بہت سے طبیبوں کی طرح ایک قلمدان وزارت بھی تھا چودہویں صدی کے وسط میں یورپ "کالی بلا" یعنی طاعون کے ہاتھوں تباہ و برباد ہو رہا تھا اور ملت مسیح کو اس عقیدہ نے بالکل ہی لاچار اور بے دست و پا بنا رکھا تھا کہ یہ وبا قضائے الٰہی ہے جس کو کسی طرح رد کیا نہیں جا سکتا۔ لیکن غرناطہ کے اسی مسلمان طبیب ہی نے اس زمانے میں تعدیہ کی تائید میں ایک رسالہ لکھا۔ اس رسالہ میں حقیقی سائنٹفک تحقیقات کی صدائیں سنائی دیتی ہیں۔

"جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم تعدیہ کے امکان کو نہیں مان سکتے کیونکہ یہ احکام الٰہی کے خلاف ہے، ان لوگوں کو ہمارا یہ جواب ہے کہ تعدیہ کا وجود تجربات، تحقیقات، فہم و ادراک کی شہادت اور قابل اعتماد

بلاغت سے ثابت ہے یہ تمام حقائق زبردست دلیلیں ہیں۔ تعدیہ کی صداقت ہر تحقیق کرنے والے پر پوری طرح ثابت ہو سکتی ہے جب کہ وہ یہ دیکھتا ہے کہ ایک ایسا شخص جو کسی متعدی مرض میں مبتلا مریض کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا اور رہتا سہتا ہے، "بار بار اسی مرض میں خود بھی مبتلا ہو جاتا ہے لیکن ایک ایسا شخص جو متعدی مرض میں مبتلا مریض سے دور رہتا ہے اس مرض سے بالکل محفوظ رہتا ہے، تحقیق کرنے والا یہ بھی معلوم کر سکتا ہے کہ متعدی مرض کے جراثیم مریض کے کپڑوں، اس کے کھانے پینے کے برتنوں حتیٰ کہ کان کے بندوں کے ذریعہ سے بھی دوسرے آدمیوں میں منتقل ہو جاتے ہیں"

اسلامی فتح اسپین کی ابتدائی دو صدیوں میں مشرقی ثقافت کا دریا اندلس کی سرزمین میں کافی چڑھاؤ کے ساتھ بہتا رہا۔ اسپین کے عالم طلب علم میں مصر، شام، عراق یہاں تک کہ ماوراء النہر اور چین تک کا سفر کیا کرتے تھے لیکن گیارہویں صدی اور اس کے بعد کے زمانوں میں دریا کا رخ بالکل پلٹ گیا اور بارہویں صدی میں یہ پورے چڑھاؤ کے ساتھ یورپ کی طرف بہنے لگا۔ شمالی افریقہ اور اسپین نے اور خاص کر شہر طلیطلہ (جہاں کریمونا کے جیرارڈ اور مائیکل اسکاٹ نے کام کیا تھا) نے عربی طب کو یورپ منتقل کرنے میں نہایت اہم حصہ لیا ہے اسی کی بدولت طب کی تینوں روایتوں یعنی یہودی، نصرانی اور اسلامی روایتوں کو ترجمہ کی صورت میں یکجا ہونے کا موقع ملا، ترجمے کے اس روپ میں روایتیں آسانی کے ساتھ ایک دوسرے میں گھل مل گئیں ان ترجموں کے سوا ایسے ہی دوسرے ترجموں کے ذریعہ سے بھی عربی زبان کی بہت سی فنی اصطلاحیں یورپی زبانوں میں رائج ہو گئیں، مثلاً [illegible] عربی لفظ جلاب جو فارسی لفظ گلاب کا معرب ہے اور اس کے معنی عرق گلاب کے ہیں، کی اصطلاح ایک خوشبودار طبی مشروب کے لئے استعمال کی جاتی ہے طبی ضابطے کے مطابق شکر کو پانی میں حل کر کے اس میں کوئی دوا ملا دی جاتی ہے اور اس محلول کو Syrup کہتے ہیں جو عربی لفظ شراب سے لیا گیا ہے۔ قرون وسطی کی لاطینی زبان میں سوڈا (Soda) کے معنی درد سر اور سوڈانیم (Sodanium) کے معنی درد سر کے علاج کے تھے۔ حقیقت میں یہ عربی لفظ صداع ہے

جس کے معنی شدید درد سر کے ہیں۔ عربی تصانیف کی بے شمار کیمیائی اصطلاحیں لاطینی زبان کے ذریعہ یورپی زبانوں میں پھیل گئیں۔ مثلاً الکوہل (Alcohal)، المبک (Alembic) القلی (Alchali) اور انٹی مونی (Antimony) وغیرہ۔

اسپین کے عرب عالموں کا سب سے بڑا کارنامہ تو وہ ہے جو انھوں نے فلسفہ فکر کی اقلیم میں انجام دیا ہے۔ ان لوگوں نے اور ان کے مشرقی ہم مذہبوں نے یونانی فلسفہ کو اپنی جن تصانیف اور تالیفوں کے ذریعہ لاطینی مغرب میں منتقل کیا ہے، اگر اس کو ایک زنجیر سے تعبیر کیا جائے تو ہم بجا طور پر کہہ سکتے ہیں کہ اسپین کے عربوں نے اس زنجیر میں آخری اور محکم ترین کڑی کا اضافہ کیا ہے۔ اس علم میں انھوں نے اپنی طرف سے اضافے کئے ہیں اور عقل و ایمان، مذہب اور سائنس کے درمیان مطابقت پیدا کر کے بہت بڑا کام کیا ہے اگرچہ مسلمان مفکروں کے نزدیک ارسطو کا کہا حق تھا، افلاطون کا کہا حق تھا اور قرآن کا کہا حق تھا لیکن حق کا ایک ہی ہونا بھی بس ضروری تھا نتیجہ یہ ہوا کہ ان تینوں میں مطابقت کیلئے وہ بڑی مستعدی سے کمر بستہ ہو گئے کچھ زمانے میں نصرانی متکلموں کو بھی اسی مسئلہ سے دوچار ہونا پڑا تھا لیکن ان کی دینیات میں عقائد اور اسرار دونوں یکجا ہو جانے کی وجہ سے ان کا کام اور مشکل ہو گیا تھا۔ جیسا کہ ہم اس سے پہلے دیکھ چکے ہیں یونانیوں کا فروغ دیا ہوا فلسفہ اور عبرانی پیغمبروں کا پروان چڑھایا ہوا دین توحید یہی دو چیزیں قدیم مغرب اور قدیم مشرق کے سب سے بڑے ورثے ہیں۔

جدید تصورات کا جو پہلا سیلاب (اس میں زیادہ تر فلسفہ اور طب کے تصورات تھے) یورپ میں امنڈا ہے، اس سے تاریک زمانہ ختم ہوتا ہے اور علمی دور کی سحر نمودار ہوتی ہے عربی خیالات سے واسطہ پڑنے پر یورپ والوں کے دلوں کو علم و فلسفہ کی تحصیل کے شوق نے گرمایا اور قدیم یونانی علوم کی نو آگہی نے اس آتش شوق کو اور بھڑکایا۔ ان دونوں کے طفیل اہل یورپ نے بڑی تیزی اور مستعدی کے ساتھ اپنا آزاد علمی ماحول پیدا کر لیا جس کے ثمرات سے ہم اب تک مستفید ہوتے چلے آ رہے ہیں۔

یہاں ہم مسلم اسپین کے بہت سے بڑے بڑے فلسفیوں میں صرف چند ایک ہی کا ذکر کر سکتے ہیں۔ ان میں ایک ابن طفیل ہے جس نے ۱۱۸۵ء میں وفات پائی ہے اس کا شاہکار ایک اچھوتا فلسفیانہ افسانہ ہے۔ اس افسانہ کا عنوان ہے "حی ابن یقظان" اس افسانے کا بنیادی تخیل یہ ہے کہ فہم انسانی کسی خارجی عامل کی مدد کے بغیر عالم بالا کی آگہی حاصل کر سکتی ہے۔ اور رفتہ رفتہ اس پر یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس دنیا کا دار و مدار ایک قادر مطلق ہستی پر ہے۔ یہ قرون وسطیٰ کے ادب کا بالکل اچھوتا اور نہایت دلکش افسانہ ہے۔ ماڈورڈ پوکاک نے سنہ ۱۶۷۱ء میں اسے پہلی بار لاطینی میں منتقل کیا تھا پھر اس کے بعد یورپ کی اکثر زبانوں میں اس کا ترجمہ ہوا۔ چنانچہ ولندیزی زبان میں اس کا ترجمہ سنہ ۱۶۷۲ء میں روسی زبان میں سنہ ۱۹۲۰ء میں اور اسپینی زبان میں حال ہی میں یعنی سنہ ۱۹۳۱ء میں ہوا ہے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ انگریزی زبان کی تصنیف رابن سن کروسو کا سرچشمہ بھی یہی کتاب ہے۔

اپنے اثر اور خاص کر مغرب پر اپنے اثر کے لحاظ سے سب سے بڑا مسلمان فلسفی، عرب اسپین کا ہیئت داں، طبیب اور ارسطو کا شارح ابن رشد ہے جسے یورپ والے Averroes کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ ابن رشد سنہ ۱۱۲۶ء میں بمقام قرطبہ پیدا ہوا تھا۔ علم طب میں اس کا اہم ترین کارنامہ اس کی وہ تصنیف ہے جس میں اس نے اس حقیقت کو تسلیم کرایا ہے کہ کسی شخص کو چیچک ایک سے زیادہ مرتبہ نہیں نکلتی اور جس میں پردہ چشم (شبکۃ العین) کے وظیفہ کی ٹھیک ٹھیک تشریح کی گئی ہے۔ تاہم یہودی اور نصرانی دنیا میں ابن رشد پہلے پہل ارسطو کے فلسفہ کے شارح کی حیثیت سے مشہور ہوا۔ یہاں یہ یاد رہے کہ قرون وسطیٰ کے شارح بذات خود مصنف ہوا کرتے تھے۔ یہ لوگ اگلوں کی تصانیف کے خاکے کے اندر یا اس کو پس منظر میں رکھ کر فلسفہ یا سائنس پر اپنی مستقل تصانیف پیش کیا کرتے تھے اس طرح ابن رشد نے جو شرحیں لکھی ہیں وہ سب کی سب اصل میں اس کے اپنے مستقل رسالوں کا

ایک سلسلہ ہیں۔ اپنے بعض رسالوں میں ابن رشد نے ارسطو کی بعض تصانیف کے صرف نام لئے ہیں اور ان کے مضامین کے خلاصے کئے ہیں۔ مسلم ایشیا یا مسلم افریقہ کے مقابلہ میں ابن رشد کا رشتہ نصرانی یورپ سے زیادہ استوار معلوم ہوتا ہے۔ جس طرح ارسطو کو اہل مغرب نے 'استاد' مانا ہے بالکل اسی طرح ابن رشد کو 'شارح' تسلیم کیا ہے حقیقت میں یہ ابن رشد کا ارسطو تھا جس نے قرون وسطی کے یورپی نصرانیوں، اہل مکتب اور عالموں کے دلوں میں اضطراب کی لہر دوڑا دی۔ بارہویں صدی کے آخر سے لے کر سولھویں صدی کے ختم تک سب سے زیادہ ذی اثر مکتب خیال ابن رشد کا فلسفہ ہی تھا۔ تنگ خیال مذہبی ردعمل کے باوجود یہ مکتب خیال سب سے پہلے اسپین کے مسلمانوں ہی میں قائم ہوا اس کے بعد یہودیوں اور آخر میں نصرانی پادریوں میں اس کی نشر و اشاعت ہوئی۔ ابن رشد عقلیت پسند تھا اس کا دعویٰ تھا کہ مذہب کے الہامی اصول و عقائد کے سوا ہر چیز کو عقل اور دلیل کی کسوٹی پر پرکھنا چاہتے۔ چنانچہ ابن رشد کے اس خیال کی بنا پر بعض لوگوں کا خیال ہے کہ وہ آزاد خیالی کا بانی اور مذہب کا بہت بڑا دشمن تھا لیکن اس خیال میں کچھ بھی صداقت نہیں ارسطو کے فلسفہ پر جن اگلے مسلمان محققوں نے کام کیا تھا انھوں نے بہت سی غیر مستند کتابوں کو بھی ارسطو کی تصنیف سمجھ لیا تھا ان میں بہت سی اشراقی کتابیں بھی شامل ہیں۔ ابن رشد کے فلسفہ کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے دنیا کو خالص اور سائنٹفک ارسطاطالیت کا راستہ دکھایا۔ مذہبی علماء نے ابن رشد کی تصانیف سے مذہب کی نظر میں قابل اعتراض اجزاء کو خارج کیا اور اس کے بعد جامعہ پیرس اور اعلیٰ تعلیم کے دوسرے اداروں میں اس کی تصانیف نصاب میں شریک کی گئیں، ابن رشد نے جس ذہنی تحریک کی داغ بیل ڈالی تھی وہ اپنے تمام محاسن و معائب کے ساتھ یورپی فکر میں جدید تجربی سائنس کے ظہور تک ایک ذی حیات عامل کی طرح اپنا کام کرتی رہی۔

اس زمانے کے فلسفیوں میں اگر کسی کو ابن رشد کے بعد پہلا درجہ دیا جا سکتا ہے تو وہ اس کا ہم عصر اور ہم وطن قرطبی یہودی ابن میمون یا ابن میمونڈ ہے جو عبرانی ابن میمون کے نام سے مشہور ہے۔ اسے پورے عربی دور کے تمام یہودی فلسفیوں اور طبیبوں میں سب سے زیادہ شہرت حاصل ہوئی ہے۔ یہ ۱۱۳۵ء میں بمقام قرطبہ پیدا ہوا لیکن اس کا خاندان مسلمانوں کی مذہبی تعذیب کی تاب نہ لا کر ۱۱۶۵ء میں قاہرہ چلا آیا اور یہیں بس گیا بعض سوانح نگاروں نے دعویٰ کیا ہے کہ ابن میمون نے اسپین میں اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کیا اور در پردہ دین موسوی پر قایم رہا لیکن اس دعویٰ پر حال ہی میں نقادوں نے سخت تنقیدیں کی ہیں قاہرہ میں ابن میمون شہرۂ آفاق سلطان صلاح الدین اور اس کے بیٹے ملک العزیز کا درباری طبیب مقرر ہوا۔ سنہ ۱۱۷۷ء میں اس کو قاہرہ کے یہودیوں کا سب سے بڑا مذہبی عہدہ دیا گیا اس عہدہ پر وہ اپنی وفات تک فائز رہا۔ اس نے ۱۲۰۴ء میں وفات پائی۔ اس کی وصیت کے مطابق اس کی میت کو اسی راستہ الفوں پر لے جایا گیا جس پر کسی زمانے میں حضرت موسیٰ چل چکے تھے اور طبریہ لے جا کر وہاں اسے دفن کیا گیا، اس کی قبر تکلف سے بری اور بالکل سیدھی سادی ہے۔ اس کی زیارت کے لئے اب بھی ہزاروں زائر آیا کرتے ہیں۔ مصر جدید کے نادار یہودی مریض اب بھی قاہرہ کے صلوات ربی موسیٰ بن میمون کے تہ خانے میں اس لئے شب بسری کیا کرتے ہیں کہ اس مقام کی برکت سے ان کا مرض دور ہو جائے۔ یہودیوں کی ایک مشہور کہاوت ہے کہ "موسیٰ سے موسیٰ تک موسیٰ کا ہم پلہ کوئی نہیں ہوا" اس کہاوت سے یہودیوں میں موسیٰ بن میمون کی ہر دلعزیزی اور اس کی عظمت کا پتہ چلتا ہے

ابن میمون نے ایک ہیئت داں، عالم دینیات طبیب اور سب سے بڑھ کر ایک فلسفی کی حیثیت سے نام پیدا کیا۔ اس نے ختنہ کے طریقہ کی اصلاح کی۔ بواسیر کی تکلیف قبض کو قرار دیا اور اس کے لئے ایک ایسی ہلکی پھلکی غذا تجویز کی جس میں بیشتر ترکاریاں ہیں۔

حفظ صحت کے بارے میں اس کے تصورات بہت بلند تھے طب میں اس کی سب سے مشہور کتاب "الفصول فی الطب" ہے فلسفہ پر اس نے جتنی کتابیں لکھی ہیں ان میں سب سے زیادہ مشہور وہ کتاب ہے جس کا نام "دلالۃ الحائرین" ہے اس کے معنی پریشان لوگوں کے رہنما کے ہیں۔ اس کتاب میں اس نے موسوی شریعت کو اسلامی ارسطاطالیت سے یا اس سے بھی وسیع ترمعنی میں عقل اور مذہب کے درمیان مطابقت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے اس نے پیغمبرانہ خوابوں کی تعبیر اس طرح کی ہے گویا یہ بھی طبعی تجربات تھے اس حد تک کم سے کم وہ حکمیاتی فلسفہ کا علم بردار ہے اور یہ فلسفہ اناجیل کے بنیادی عقائد کے خلاف ہے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قدامت پسند علماء اس سے اس قدر بگڑ گئے کہ اس کی کتاب کو "دلالۃ" کے بجائے "ضلالۃ" یعنی بھٹکانے والی کہنے لگے۔ اس کتاب میں اور اسی طرح دوسری کتابوں میں جو فلسفیانہ تصورات پیش کئے ہیں وہ ابن رشد کے خیالات سے ملتے جلتے ہیں مگر ابن میمون نے اس باب میں ابن رشد سے کوئی استفادہ نہیں کیا ہے بلکہ آزادانہ طور پر انھیں فروغ دیا ہے ابن رشد کی طرح وہ بھی یونانی زبان سے ناواقف تھا اور اس کو صرف عربی ترجموں پر تکیہ کرنا پڑا۔ اگرچہ اس نے نظریۂ تخلیق کو پیش ضرور کیا ہے لیکن اس پر غور و فکر کرنے میں اس نے خود حصہ نہیں لیا۔ اس زمانے کے ان تمام مفکروں کے پاس جو عربی زبان میں اپنے افکار و تخیلات پیش کیا کرتے تھے دو قسم کے نظریئے تھے ایک نظریہ انجیل کے بنیادی عقاید کی صداقت کا ہے اس کی رو سے خدا کو ہر شے کا خالق تسلیم کیا گیا ہے اور دوسرا نو افلاطونی اور ارسطاطالیسی نظریہ تھا ابن میمون کا پیش کیا ہوا نظریہ ان دونوں نظریوں سے الگ تھا اس کا یہ نظریہ جوہر کے نظریہ سے مشابہ تھا ایک کتاب کے سوا اس کی تمام تصانیف عربی زبان میں ہیں لیکن ان کا رسم خط عبرانی ہے۔ یہ تصنیفیں بہت جلد عبرانی زبان میں اور اس کے بعد جزئی طور پر لاطینی زبان میں منتقل ہو گئیں۔ ان تصانیف نے اپنے اثرات زیادہ تر یہودیوں اور نصرانیوں پر مرتب کئے ہیں اور یہ اثرات زمانۂ و

مکان کے اعتبار سے بہت دوررس تھے۔ اٹھارہویں صدی کے آخر تک اس کی کتابیں یہودی فلسفہ کو غیر یہودی فرقوں میں منتقل کرنے کا زبردست وسیلہ بنی رہیں چنانچہ دور جدید کے نقادوں نے البرٹس میاگنس (Albertus magnes) اور اس کے رقیب ڈنس اسکوٹس (Duns scotus) اور اسپی نوزا (Spinoza) حتیٰ کہ کانٹ (Kant) کی تصانیف میں بھی ابن میمون کی تصانیف کے اثر کا سراغ لگایا ہے

اس زمانے کے عارف کامل اور اسلامی تصوف کے روح رواں ایک ہسپانوی عرب محی الدین ابن عربی تھے یہ اشبیلیہ میں پیدا ہوئے اور یہیں انھوں نے اپنی زندگی بسر کی، لیکن سنہ ۱۲۴۰ء میں بمقام دمشق وفات پائی، جہاں ان کا مقبرہ اب بھی موجود ہے انھوں نے اپنی ایک تصنیف میں حضرت محمدؐ کے سفر معراج اور سیر افلاک کے واقعہ کو بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے کہتے ہیں کہ ڈانتے نے اپنے شہ کار طربیہ خداوندی کی تیاری میں اسی تصنیف سے استفادہ کیا ہے۔

تیرہویں صدی کے آخر تک عربی سائنس اور عربی فلسفہ دونوں یورپ منتقل ہو چکے تھے۔ وہ ذہنی راستہ جو الطلیطلہ کی پھاٹکوں سے شروع ہو کر کوہ پرینیز میں سے ہو کر گذرتا تھا اب پراونس (Provence) اور الپائن کے دروں میں سے ہی کھاتا لورین، جرمنی، وسطی یورپ اور رودبار انگلستان کو پار کر کے انگلستان کی سرحد تک پہنچ گیا تھا، سرزمین فرانس میں مارسیلز۔ تولوز، ناربونے اور مانٹ پلیر عربی فلسفہ کے مرکز بن گئے تھے مغربی فرانس میں کلونی کا خطہ جہاں کی خانقاہ میں کئی اسپینی راہب مقیم تھے بارہویں صدی میں علوم وفنون کی نشر واشاعت کا مرکز بن گیا تھا پیٹر نامی یہاں کے ایک پادری نے ۱۱۴۱ء میں اسلام کے خلاف کئی رسالے شائع کرنے کے سوا قرآن کا سب سے پہلا لاطینی ترجمہ بھی شائع کیا تھا۔ لورین یا لوتھارنجیا (Lottaringia) میں عربی سائنس کی ترویج دسویں صدی میں ہوئی تھی اس کی بدولت یہ سارا علاقہ

یہ جنگ کی دو صدیوں تک سائنٹفک تحقیق کا مرکز بنا رہا۔ عربی علوم و فنون کی ترویج کے لئے پیاج۔ گورنر۔ کوبون اور دوسرے تجارتی شہروں نے نہایت ہی زرخیز زمین فراہم کی تھی۔ اور یہیں سے عربی علوم و فنون کی شعاعیں جرمنی کے دوسرے علاقوں میں بھی پھیلنے لگیں اور یہیں کے باشندوں اور یہاں کے تعلیم پائے ہوئے لوگوں نے اس روشنی کو نارمن انگلستان میں منتقل کیا اسپینی عربی علوم و فنون سارے مغربی یورپ کی رگ رگ میں سرایت کر گئے اور ان علوم و فنون کو یورپ میں منتقل کرنے کے لئے اسپین واسطے کی جو خدمت انجام دیتا چلا آرہا تھا، اب اس کی ضرورت باقی نہیں رہی تھی۔

تفسیر مظہری

تمام عربی مدرسوں، کتب خانوں اور عربی جاننے والے اصحاب کیلئے بے مثل تحفہ

ارباب علم کو معلوم ہے کہ حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی کی یہ عظیم المرتبہ تفسیر مختلف خصوصیتوں کے اعتبار سے اپنی نظیر نہیں رکھتی لیکن اب تک اس کی حیثیت ایک گوہر نایاب کی تھی اور ملک میں اس کا ایک قلمی نسخہ بھی دستیاب ہونا دشوار تھا۔

الحمدللہ کہ سالہا سال کی عرقریز کوششوں کے بعد ہم آج اس قابل ہیں کہ اس عظیم الشان تفسیر کے شائع ہو جانے کا اعلان کرسکیں اب تک اس کی حسب ذیل جلدیں چھپ چکی ہیں جو کاغذ دیگر سامان طباعت و کتابت کی گرانی کی وجہ سے بہت محدود مقدار میں چھپی ہیں۔

ہدیہ غیر مجلد جلد اول تقطیع ۲۰×۲۹ سات روپے، جلد ثانی سات روپے
جلد رابع پانچ روپے، جلد خامس سات روپے، جلد ششم آٹھ روپے

جلد ثالث زیر طبع

مکتبہ برہان اردو بازار جامع مسجد دہلی